ادیب سہیل

جعفر طاہر بڑی محبت کے آدمی تھے

بیسویں صدی میں جھنگ نے اردو شاعری کو کئی اہم شاعر دیے۔ ایک مجید امجد، دوسرے جعفر طاہر اور تیسرے ناصر شہزاد، تینوں شعرا اپنے اپنے رنگ میں بہ اعتبار کلام قد آور ہیں اور انفرادیت رکھتے ہیں۔ جھنگ رنگ کے لیے شیر افضل جعفری بھی مشہور ہوئے۔

ہیر رانجھا اسی سرزمین کی لافانی کہانی ہے۔ جس پر سید وارث شاہ نے ایک بڑی لازوال عشق کی شعری کتاب رقم کر دی۔ جس کے بند کے بند آج بھی پنجاب کے دیہات سے شہر تک زبان زد خلائق ہیں اور مخصوص لحن کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں۔ وارث شاہ کی یہ تصنیف ایسی رفیع الشان ہے کہ اس کی بنیاد پر وارث شاہ کو پنجابی زبان کا شکسپیئر سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ ہیر اور رانجھا جھنگ کی اسی مٹی سے اٹھے چاردانگ عالم میں وجہ شہرت بنے اور یہیں ابدی نیند سو گئے۔ ہیر کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے۔

مجید امجد سے شناسائی ان کے شعری مجموعہ ''شب رفتہ'' سے ہوئی اور جعفر طاہر کو ان کی تصنیف ''ہفت کشور'' نے اپنے قریب کیا۔ ناصر شہزاد نے پہلے اپنی نظموں سے جستہ جستہ متاثر کیا اور اب ''بن باس'' قابل ذکر کام ہے۔ جعفر طاہر دراصل اپنی طویل نظموں ہی کے شاعر ہیں۔ شعری مجموعہ ''ہفت کشور'' اس بات کا یہ بانگ دہل اعلان کرتا ہے کہ جعفر طاہر کو قدرت نے طاقت ور زبان دی تھی لیکن اپنے لیے نہیں دوسروں کے لیے۔ ان کی باتیں ذات سے ماورا ہوتی تھیں۔

جعفر طاہر صاحب کو فوج سے ریٹائر ہوئے اگرچہ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن ڈھیڑ دھولے سے شمہ برابر بھی اس بات کا احساس نہیں ہوتا تھا کہ فوج میں وہ کپتان بھی

Scanned by CamScanner

رہے۔ البتہ ان کی ادبی قد آوری جسامت اور قامت فوجی تھا۔ یہ قامت ان کی طویل نظموں میں اپنے تمام تر طنطنے کے ساتھ ظاہر ہوتا تھااور جب ظاہر ہوتا تھا تو فضا پر چھا جانے کی کیفیت کے ساتھ۔ان کی نظموں کا لحن، مصرعوں کے اتار چڑھاؤ اور مترنم الفاظ آج بھی قاری کو ایک خاص قسم کی موسیقیت کا احاس دلاتے ہیں۔ شاید جعفر طاہر کی یہی وہ خوبیاں ہیں جن کا میں روز اول سے مداح ہوں۔ اس میری پرستاری میں آج بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ہے۔ مجھے ایسے آدمی بہت اچھے لگتے ہیں جوج کم نما ہوتے ہی اور اپنی کم نمائی میں بھی خوش نمائی کا جادو بانٹتے ہیں۔

بات موسیقیت کی آ گئی ہے تو اس حوالے سے ایک واقعہ بیان کرتا چلوں جو ان کی شخصیت سازی میں معاون ہوسکتی ہے۔ چند سال ادھر پی ٹی وی کراچی سے ایک ادبی پروگرام ''پاکستان ادب سال بہ سال'' پیش کیا جاتا تھا۔پی ٹی وی کراچی کے اسکرپٹ ایڈیٹر اور پروگرام پروڈیوسر طارق جمیل تھے۔ انہوں نے یہ کام مجھے سونپا۔اس سے پہلے تین حضرات کو دعوت دی گئی۔ انہیں ۱۹۴۷ء، ۱۹۴۸ء سے آغاز کرنے کے لیے اسکرپٹ تیار کرنا تھا۔ وہ شاید اسے مشکل کام سمجھ کر میدان چھوڑ گئے۔ بالآخر ۱۹۴۹ء اور اس سے آگے کی ذمہ داری مجھے لینی پڑی۔ بہرحال سال بہ سال کے اسکرپٹ لکھنے کا یہ سلسلہ ۱۹۶۳ء پروگرام تک جاری رہا۔ ''پاکستانی ادب سال بہ سال'' ایک گھنٹے کا پروگرام تھا، اور ہر مہینے پیش ہوتا تھا۔ اسکرپٹ نگاری کی صورت یہ تھی کہ جس سال کا اپی سوڈ پیش کیا جاتا۔اس کے بارہ مہینوں کے رسالہ جات سے منتخب افسانوں، ڈراموں، نظموں، غزلوں اور دیگر نوع کی تخلیقات کو نام زد کرنے کے ساتھ ساتھ رسائل کی نشان دہی بھی کر دی جاتی تھی۔ ان کی بنیاد پر پروگرام پروڈیوسر، ہر اپی سوڈ مین ایک ڈرامہ یا کسی کہانی کو ڈرامے کی صورت دے کر پیش کرتا تھا۔ چند اک مشاہیر شعرا کی غزلیں اور بعض وقت نظمیں نامور مغنیوں (مرد اور عورت) سے گوائی جاتی تھیں۔ ساتھ ہی اس پورے سال کا ادبی محاکمہ بھی پیش

Scanned by CamScanner

کیا جاتا تھا۔ جسے اسکرپٹ نگار الگ سے رقم کرتا تھا۔ پروگرام کے کمپیئر راحت کاظمی تھے۔ مجھے کم سے کم بیس صفحات کے اسکرپٹ تیار کرنے پڑتے تھے جس میں سال کے بارہ مہینوں میں مختلف رسائل میں چھپنے والے مواد کے انتخاب کے لیے مختلف لائبریریوں کی خاک چھاننی پڑتی تھی۔

اسی دوران میں ایک موقع ایسا آیا کہ جعفر طاہر کی ایک نظم ڈرامائی تشکیل کے لیے منتخب کی گئی جس کا منظر نامہ کشمیر جنت نظیر کا شالیمار باغ تھا۔ وہاں شہنشاہ جہاں گیر اور ملکہ نور جہاں کے حضور ایک گیت ہمیر راگ میں پیش کیا گیا تھا۔ میں نے پروگرام پروڈیوسر طارق جمیل صاحب سے کہا کہ کیا اچھا ہو کہ جعفر طاہر صاحب کے اس گیت کے لیے ہمیر راگ ہی استعمال کیا جائے کیونکہ جعفر طاہر موسیقی سے شد بد رکھتے تھے۔ ممکن ہے اس گیت کو انہوں نے راگ کے بول کی مناسبت سے ہی رقم کیا ہو۔ طارق جمیل یہ سن کر اچھل پڑے۔ فوراً ظفر احمد صاحب کو بلوایا گیا جو ''پاکستانی ادب سال بہ سال'' کی موسیقی کی دھنیں مرتب کرتے تھے۔

ظفر احمد کے آتے ہی پروگرام پروڈیوسر طارق جمیل نے کہا۔ اس بار ''پاکستانی ادب سال بہ سال'' میں ملک کے مشہور شاعر جناب جعفر طاہر کا گیت منتخب ہوا ہے۔ شالیمار باغ کے منظر نامے میں بادشاہ جہانگیر اور ملکہ نور جہاں کے حضور ان کا ایک گیت ہمیر راگ کی بندش میں پیش ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں بھی اپنی سوڈ میں ہمیر راگ ہی میں یہ گیت پیش کرنا ہے۔ آپ خاندانی کلا کار ہیں اس راگ سے واقفیت ہونی چاہیے۔

ظفر احمد نے طارق جمیل سے گیت کی نقل کا کاغذ لے لیا اور اس کا ایک لفظ ادھر ادھر کیے بغیر ہمیر راگ میں گا کر دکھایا۔ گیت او کے ہو گیا۔ اس کے بعد جعفر طاہر صاحب کی موسیقی دانی کا قائل ہونا پڑا۔

وقت مقررہ پر جب سال بہ سال کا پروگرام پیش ہوا تو یہ دیکھنے میں آیا کہ

Scanned by CamScanner

جعفر طاہر صاحب کے ہمیر راگ کو گانے کے لیے کسی دوسرے گلوکار کو استعمال کرنے کے بجائے ظفر احمد نے خود ہی گایا ہے۔ باذوق سننے والوں کو اس گائیکی میں دو آتشہ کا لطف آیا۔ کم سے کم میں نے ایسا ہی محسوس کیا۔

جعفر طاہر صاحب سے میرا غائبانہ تعارف ان کے کلام اور ان کی آدم جی انعام یافتہ کتاب ہفت کشور سے ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ اردو شاعری میں جعفر صاحب کے کینٹوز (Cantos) بھی پڑھ چکا تھا۔ مزہ آیا تھا اس لیے اس سے پہلے ایذرا پاؤنڈ کے کینٹوز بھی نظر سے گزر چکے تھے۔ ''کینٹوز'' کے حوالے سے پاؤنڈ انگریزی شاعری کی دنیا میں فرد وحید متصور ہوتے ہیں۔ انگریزی شاعری کے میجر شاعر ٹی ایس ایلیٹ پاؤنڈ کے کینٹوز کے بہت مداح ہیں۔ ٹی ایس ایلیٹ کی مشہور زمانہ نظم The Waste Land (دی ویسٹ لینڈ) پر نظر ثانی ایذرا پاؤنڈ نے کی تھی۔

اردو میں کینٹوز (Cantos) رقم کرنے کا اول اول تجربہ شاید جعفر طاہر کے حصے میں ہی آیا ہو۔

۷۵-۱۹۷۴ء کا زمانہ تھا۔ سابق مشرقی پاکستان سے سقوط کے نتیجے میں کراچی آنے کے بعد میری تقرری راولپنڈی ریلوے اکاؤنٹس میں ہو گئی تھی۔ پنڈی کے اکثر احباب مجھے لکھنے لکھانے کے تانے ایک طویل عرصے سے غائبانہ جانتے تھے۔ ان جاننے والوں میں جمیل ملک، افضل پرویز، احمد ظفر، منصور قیصر اور رشید امجد اور اعجاز راہی میرے رابطے میں تھے۔ پنڈی شہر ان کے رہتے ہوئے کبھی مجھے اجنبی نہیں لگا۔

اسی دوران پنڈی ریڈیو کے پروگرام پروڈیوسر صادق قمر نے ایک نئے ہفتہ وار پروگرام ''ساز کہتے ہیں'' کا منصوبہ بنایا۔ ساز کے حوالے فیچر لکھوانے کے لیے ایک ادیب کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انہوں نے منصور قیصر کو لکھنے کی دعوت دی۔ منصور قیصر نے میرے سامنے صادق قمر کو فون پر یہ جواب دیا کہ ''بھئی میں موسیقی کے حوالے سے کیا

Scanned by CamScanner

لکھوں گا، میرا یار ادیب سہیل سابق مشرقی پاکستان سے چند دنوں پیشتر راول پنڈی آیا۔ وہ ریلوے اکاونٹس میں کام کرتا ہے۔ موسیقی اس کا خاص موضوع ہے۔ اس کام کے لیے وہ موزوں رہے گا۔ میں ابھی لے کر آتا ہوں۔

منصور قیصر مجھے اسی وقت اپنی گاڑی میں بٹھا کر پنڈی ریڈیو اسٹیشن لے گئے اور پروڈیوسر صادق قمر سے ملوایا۔ وہیں صادق قمر کے کمرے میں جعفر طاہر بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ جعفر طاہر نے اٹھ کر بڑے تپاک سے گلے لگا لیا اور انہوں نے بھی ''ساز کہتے ہیں'' لکھنے کے لیے میری تقرری کا خیر مقدم کیا۔ میں ہفتے میں ایک دن کسی نہ کسی کی ساز کے حوالے سے فیچر لکھ کر صادق قمر صاحب کے حوالے کرتا تھا۔ وہ بہت خوش تھے۔ انہوں نے بتایا تھا کہ میرا فیچر شہنائی پر بسم اللہ خاں کے حوالے سے سیلون ریڈیو نے خریدا ہے نشر کرنے کے لیے۔ جعفر طاہر صاحب سے بھی اس دن ملاقات ہو جاتی تھی۔ یہ سلسلہ تقریباً ایک سال تک چلا گیا۔

ریڈیو اسٹیشن میں جعفر طاہر صاحب سے ملاقات کی صورت یہ ہوتی تھی کہ پروگرام ریکارڈ کرانے کے بعد ان کے ایما پر ریڈیو اسٹیشن کے کینٹین میں بیٹھے کی بجائے باہر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ جاتے۔ وہ مجھے چائے منگوانے نہیں دیتے تھے۔ خدا معلوم اس کے پیچھے کیا منطق تھی اور پھر گفتگو شروع ہو جاتی تھی، ادب کی کم، عالمی سیاست پر زیادہ ہوتی تھی۔ مشرق وسطی کی سیاست ان کا خاص موضوع تھی۔ اور ان میں ''بلیک ستمبر'' کا واقعہ ابھی تازہ تھا۔

سیاست میں زیادہ تر وہ عالمی صورت حال زیر بحث آتی تھی جس کا براہ راست تعلق مشرق وسطی کے ممالک اور فلسطین کی کس مپرسی سے تھا۔ اور یہ اس وجہ سے تھا کہ سامراجی ممالک، امریکہ و برطانیہ مشرق وسطی کے قلب میں اسرائیل کا وجود مستحکم کرنا چاہتے تھے۔ جعفر طاہر صاحب اس موضوع پر زیادہ سے زیادہ تبادلہ خیال کو یوں ترجیح دیتے تھے

Scanned by CamScanner

وہ اپنی معرکہ آرا تصنیف ہفت کشور کے بعد مشرق وسطی کی تازہ بہ تازہ صورت حال پر نظمیں لکھنا چاہتے تھے۔ انہیں اس بات کا پتا تھا کہ ان معاملات میں میری اور ان کی ایک طرح کی نظری مطابقت بھی ہے اور اپنی نظموں کے خام مواد میں اضافے کے لیے مشرق وسطی پر میرے ہر طرح کے مباحث کو درخور اعتنا جانتے تھے۔ میں نے ''بلیک ستمبر'' کے حوالے سے سہ فریقی گفتگو جو لیبیا میں قذافی، شاہ حسین اور یاسر عرفات کے درمیاں ہوئی اس پر بھی بات کی۔ اس بارے میں فلسطینی مجاہدین کے دو بائیں بازو کے دھڑوں کے سربراہ اور یاسر عرفات کے رفیق سفر حارج حبش اور ناظم حواتمہ (یا نائف حولمتہ) کے موقف بھی بیان کیے۔ اور پھر اس صورت حال کی جانب اشارہ کیا۔ جس میں فلسطینی بے یار و مددگار، ایک طرف امریکہ کی پشت پناہی میں اسرائیل کا ظلم و ستم اور دوسری طرف عرب ممالک کا ''ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم'' والا رویہ سہتے تھے۔ میں اپنی بساط بھی ہر ہفتے مشرق وسطی کی صورت حال کے عوامل و عواقب پر باتیں کیے جاتا تھا۔ ساتھ ہی یہ کہہ رکھا تھا کہ میری جو باتیں آپ کے کام کی ہوں انہیں رکھ لیں اور باقیوں کو خارج از ذہن کر دیا کریں۔

جعفر طاہر سے ربط و ملاقات کا یہ سلسلہ ۱۹۷۷ء کے اوائل تک جاری رہا۔ پنڈی ریڈیو اسٹیشن کے لان میں ہر ہفتہ ان کے ساتھ بیٹھک جاری رہی۔ چائے جعفر طاہر صاحب ہی کی طرف سے آتی تھی۔ میں نے اک آدھ بار اصرار بھی کیا کہ کبھی مجھے بھی اس خدمت کا موقع دیں تو انہوں نے نہایت محبت سے کہا ''سہیل صاحب آپ ہمارے مہمان ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ ہجرت و مسافرت میں ہیں۔''

''ساز کہتے ہیں'' کا ریڈیو پروگرام ختم ہو چکا تھا۔ جعفر طاہر صاحب سے ملاقات کی صورت نکلتی رہتی تھی۔ روابط میں ان کا تپاک قائم تھا۔

کچھ دنوں بعد میرا تبادلہ کراچی ہوگیا اور جعفر طاہر صاحب سے دور ہوگیا۔ پتا

Scanned by CamScanner

نہیں مشرقِ وسطیٰ پر 'ہفت کشور'' جیسی کتاب مکمل کرنے کا جعفر صاحب کا منصوبہ عمل میں آیا یا نہیں۔ خدا کرے اس کا مسودہ ان کی زندگی ہی میں مکمل ہو چکا ہو۔ مجھے یقین ہے ان کی دوسری کتاب 'ہفت کشور'' کی طرح اپنے سیاسی و علمی سیاق و سباق میں بلند مرتبہ ہوگی اگر اسے ادبی منظرنامے میں آنے کی سہولت حاصل ہوگئی ہو۔

جعفر طاہر کی شہرت اس وقت بام عروج پر پہنچی جب پاکستان رائٹرز گلڈ کے پہلے آدم جی انعام کے لیے ان کے شعری مجموعے 'ہفت کشور'' کا انتخاب کیا گیا۔ اس میں شامل نظموں کو پڑھ کر مجھے جعفر طاہر کے ایک پُرگو شاعر ہونے کا شدت سے احساس ہوا۔ اور یہ بھی خیال آیا کہ زبان کسی کی میراث نہیں ہوتی جو اسے سلیقے سے برتے وہی اس کا حقیقی وارث ہوتا ہے۔

'ہفت کشور'' اپنے شاعرانہ سیاق و سباق میں سات ممالک، ترکی، مصر، عرب، عراق، ایران، پاکستان اور الجزائر کا سیر کراتی ہے۔ اسی مناسبت سے سات طویل نظمیں بہ الفاظ دیگر سات منظوم منظرنامے ہیں۔ ہر منظرنامہ بیان و پیش کش کے اعتبار سے قارئین پر ایک عالم نو کے در وا کرتا اور ایک نئی لذت سے آشنا کراتا ہے۔ منظرنامے کی آرائش اور نظارہ سازی الفاظ و متخیلہ کے بل بوتے پر ظاہر ہوئی ہے۔ یہاں لفظوں کے انتخاب نے رسوا نہیں کیا کیوں کہ یہ الفاظ کبھی نہیں یعنی لائے ہوئے نہیں از خود آئے ہوئے ہیں اور ان کی شاعری کو آفاقی مزاج عطا کرتے ہیں۔ بیسوی صدی کے عظیم انگریزی ادیب و ناول نگار کا خیال ہے کہ نغمگی بیان میرے لیے چھتر فراہم کرتی ہے۔ نئے نئے ترشے ترشائے الفاظ ہیں کہ اڑے چلے آرہے ہیں۔ مصرعوں اور شعروں میں۔ سرزمین کے حوالے سے نئے نئے مفاہیم رونمائی کو بے تاب ہیں۔ ایک نظم میں حسب توفیق کسی ہی چھوٹی بڑی بحریں سلک نظم میں پروئی گئی ہیں۔ شاعری کی کتابیں تو پڑھتا رہتا ہوں لیکن لفظوں کا یہ طنطنہ خال خال ہی دیکھنے میں آتا ہے۔ جعفر طاہر کا طنطنہ خالی خولی نہیں تہہ دار،

Scanned by CamScanner

ر معنی کی تہیں کھولتا ہے۔

پاکستان کے منظرنامے سے آغاز اس کے فکر کے مشرقی بازو سے ہوتا ہے قلم
ر طاہر کا ہے اور یہ کہنے کو جی چاہتا ''اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی''

یہاں جعفر طاہر صاحب کا قلم آغاز ہی سے دھانی رنگ میں رنگ جاتا ہے اور
ی سیاح فاہیان کی اس سرزمین کے متعلق گرویدگی اور بیان نظر میں گھومنے لگتا ہے خود
ہاں کے میرے اپنے تجربے بھی بیدار ہو جاتے ہیں فلم کے پردے کی طرح منظر نظر کے
امنے سے گزرنے لگتے ہیں۔ آآپ جعفر طاہر کی شاعری میں سے خالص بنگلہ رنگ کہ
کتے ہیں۔ گیتوں کا لب و لہجہ استعمال ہونے لگتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس خطے کا منظر نامہ
اجنبی نہیں لگتا۔ پاسکتان کے دونوں بازوں میں ایک کے لیے صفحہ ۲۶۰ پر فضا کی مناسبت
ے ایک مکمل بنگلہ گیت رقم ہوا ہے۔

نشیتھے جائیو پھولو بنے ہے بھومرا
نشیتھے جائیو پھولو بنے
جالائے چندریو باتی
جیگے رو رو شارا راتی گو ....

صفحہ ۲۶۵ پر اس بنگلہ گیت کے مقابل ایک پنجابی گیت بھی رقم ہے۔

ڈھولا بڑیا دیندا میں پئی چنڑ دی پھٹی
تیری سوہنی صورت میں جنڈری لُٹی
سیو تیتری مٹھی ....
ڈھولا ....

اس کے بعد طویل بحر میں مقفیٰ نظم کا تجربہ نظر سے گزرتا ہے۔ اس میں لچکتے،
ڈولتے مصرعوں کے مطابق الفاظ کا استعمال کرنا اور اس کو سنبھالنا ''کارے دارد'' کے

Scanned by CamScanner

متراف ہوتا ہے لیکن جعفر طاہر نے 'ہفت کشور' میں بیس ہم قافیہ اشعار یعنی چالیس مصرعے جس خوب صورتی سے نکال لائے ہیں۔ اس میں بڑے بڑے طرم خانوں کی پاکی رگی جاتی ہے۔ لیکن جعفر طاہر سہج سہج اس آزمائش سے گزر گئے ہیں۔ ایک منجھے ہوئے کھلاڑی کی طرح۔ جعفر طاہر کو 'ہفت کشور' لکھنے کے بعد یہ کہنے کا حق پہنچتا ہے۔ "بازیچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے"، تقریباً آدھی دنیا پر جعفر طاہر کا یہ کہا صادق آتا ہے۔

کتاب کا آخری منظر نامہ "الجزائر" ہے اس منظر نامے کا اختتام اس آخری بند پر ہوتا ہے:

اذاں اب تو معرب کی دینے لگے ہیں حریم اجل میں بلالؓ گرامی
اٹھو دوستو دیکھتے کیا ہو اٹھو نہ آئے گی پھر ساعت نیک نامی
ابھی وقت ہے ایک صف میں کھڑے ہو کے آؤ تو بخشش کا سامان کر لیں
نبیؐ کے صحابیؓ کی آواز پر جان کیا چیز ہے آن قربان کر دیں
مرے ہفت کشور کے بانکے جوانو یہ مغرب کا لمحہ بہت مختصر ہے
ذرا سی بھی تاخیر اس میں گوارا نہیں ہے کہ یہ حکم خیر البشر ہے
سحر ہو گئی تو نبیؐ کے صحابیؓ سے آنکھیں ملانے کا یارا نہ ہو گا
مگر میں سمجھتا ہوں میں جانتا ہوں کہ یہ رنج تم کو گوارا نہ ہو گا

اس مضمون میں جعفر طاہر صاحب کے شخص کو اجاگر کرنے کی سعی کی ہے میں نے خود کو وہ باتیں کہنے سے روکا اور وہ باتیں ان کے Deeds کے ذریعے کہلوائی ہیں۔ وہ Deed یا کارِنمایاں منت گھڑت نہیں مبنی بر حقیقت ہیں۔ یہ باتیں اگر میں براہ راست کہتا تو ظاہر ہے اس میں وہ اثر نہیں ہوتا جو میں نے ان کے کارنمایاں کی زبانی کہلوائی ہیں، دوبدو گفتگو میں ان کی شخصیت ہی میرے پیش نظر رہی، عکس کی طرف میرا دھیان ہی نہ گیا، عکس یعنی فن سے ملاقات کی سبیل ان کی کتاب 'ہفت کشور' یا ملک...

ہیں شائع ہونے والی نظمیں ہیں۔ کبھی انہوں نے بیٹھک میں نہ اپنا کلام سنایا اور نہ مجھ سے کلام سنانے کی فرمائش کی۔ ورنہ عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے جب دو شاعر اکٹھے ہوتے ہیں تو آغاز سلام کلام کے بعد کلام سنانے سے کرتے ہیں۔ بعض دفع تو میں یہ سوچنے لگتا تھا کہ اتنی بڑی بڑی ''میرا تھون''، نظمیں جس شخص نے لکھی ہوں، یہ وہی شخص جعفر طاہر کے روپ میں اس وقت میرے روبرو ہے۔ جو سرتاپا سادگی ہے، جس کی سرشت مدھمتا سے گوندھی گئی ہے۔

کسی فرد کا عکس ہی چمتکار ہونا کافی نہیں، اس کے اندر باہر کے شخص کو بھی چمتکار ہونا چاہیے۔ دراصل شخص ہی سے تو اس کے عکس کا بھرم قائم ہے اور منبع عکس ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کا بھی کوئی عکاس ہے۔ اللہ مغفرت جعفر طاہر صاحب کو وہ بڑی محبت کے آدمی تھے۔

❖•❖•❖•❖•❖

Scanned by CamScanner